Fikr-o-Nasar (Islamabad) 36:3-4 (1999)

فکرو نظر۔۔۔۔ اسلام آباد جلد: ۳۶ شمارہ: ۳،۴

تفسیر مرادیہ
حضرت شاہ مراد اللہ سنبھلی، تلخیص و مطالعہ

سیّد ابوالخیر کشفی ☆

" انّه لقول فصل" تحقیق یہ قرآن خدا تعالیٰ کا کلام ہے۔ سچی بات ہے حق اور باطل کو جدا کرنے والا ہے، جھوٹے لوگوں کا جھوٹ اور سچے لوگوں کا سچ قرآن سے معلوم ہوتا ہے۔ کیسا ہی کوئی اپنے آپ کو بڑا کہلاوے اور لوگ اس کو بڑا جانیں ، کامل جانیں وہ اپنے آپ کو صاحب کمال جانے اگر قرآن کی ہدایتوں کے اثر اس میں نہیں، ایمان کی سمجھ، مسلمانوں کے عمل ، مسلمانوں کی خصلتیں شرم و حیاء ، رحم و مروت، کرم سخاوت، عدل و انصاف اس میں نہیں، اچھی خوئیں نہیں رکھتا، صبر و شکر، خوف و رجا ،شوق و ذوق محبت، ذکر فکر، اس میں معلوم نہیں ہوتا وہ جھوٹا ہے، ناقص ہے، آخرت سے محروم ہے اور جس کسی میں ایمان کی سمجھ، مسلمانی کے کام، ظاہر کی باطن کی اچھی خصلتیں، اچھے حال قرآن کے موافق ہیں وہی سچا ہے، کامل ہے ،اس جہاں میں بڑی دولتوں کو پہنچنے والا ہے۔ اچھی بری راہ کے بھلے برے آدمی کے پہچاننے کی قرآن ہی کسوٹی ہے۔ اس کلام سے سب حقیقتیں معلوم ہوتی ہیں اور جو کچھ فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے جس کام کو فرمایا ہے، جو کچھ خبر دی ہے اول کی، آخر کی دنیا کی آخرت کی، قیامت کو سب کسی کا زندہ ہونا، حساب و کتاب ،

☆ بی ۲۳۷، بلاک ۶ ، گلشن اقبال، کراچی۔۷۵۳۰۰

© Dr Muhammad Hamidullah Library, IIU, Islamabad. http://iri.iiu.edu.pk/

دوزخ و بہشت، برے کا برا، بھلے کا بھلا، جو جو کچھ کہا ہے وہ سب کلام درست ہے لکھی ہوئی بات ہے یقینی ہے کچھ شک شبہ کا لگاؤ نہیں۔ جو فرمایا وہ بات ویسی ہے۔ تفاوت نہیں۔ جس کام کو اچھا کہا ہے وہی کام اچھا ہے اور جس کام کو برا کہا ہے وہی کام برا ہے۔

یہ عبارت جو میں نے ابھی آپ کی خدمت میں پیش کی، حضرت شاہ مراد اللہ انصاری سنبھلی کی تفسیر مرادیہ سے لی گئی ہے، اور سورہ طارق کی ایک آیت انه لقول فصل کی تفسیر کے سلسلہ کلام سے اخذ کی گئی ہے۔ قرآن حکیم کے آخری پارے کی یہ تفسیر ۲۴ محرم ۱۱۸۵ھ (مطابق ۱۷۷۱ء) کو مکمل ہوئی۔ حضرت شاہ صاحب نے خاتمہ الکتاب میں لکھا ہے:

> "حمد اور شکر کا سجدہ لائق ہے، سزا وار ہے پاک پروردگار کے تئیں جس خداوند نے اپنے فضل و کرم سے اور حضرت نبی ﷺ کے طفیل سے عم سپارے کی تفسیر ہندی زبان میں تمام کروائی۔ اس عاصی گنہگار مراد اللہ انصاری سنبھلی قادری نقش بندی حنفی کو یہ خدمت فرما کر، توفیق بخش کر اس کے دل میں اپنے پاک کلام کا بیان بخشا، زبان کو ہاتھوں کو قوت بخش، قلم کو کاغذوں کے اوپر جاری کروایا۔ یہ خیر کا کام پورا کر دیا۔ پھر اس تفسیر کا نام "خدا کی نعمت" مقرر کروایا۔ یہ تفسیر چوبیس تاریخ محرم مہینے کی جمعہ کے دن تمام ہو چکی۔ حضرت پیغمبر ﷺ کی ہجرت کے گیارہ سو برس کے اوپر چوراسی برس گزر چکے تھے، پچاسی شروع ہو گیا تھا"

تفسیر مرادیہ (خدا کی نعمت) "باغ و بہار" سے کم و بیش تیس سال پہلے لکھی گئی۔ "میر امن کی باغ و بہار" ۱۸۰۱ء میں سامنے آئی اور اسے جدید اردو نثر کا نقطہ آغاز قرار دیا جاتا ہے۔ ہمارے نزدیک اس کا ایک سبب تو یہ ہے کہ تفسیر مرادیہ ہمارے ادبی مورخوں کے سامنے نہیں تھی، اور حال میں جو ادبی تاریخیں لکھی گئی ہیں ان کے مداد اور تقسیم ادوار میں پہلی تاریخوں کی تقلید ہی ملتی ہے۔ ایک اور سبب یہ ہے کہ ہمارے بیشتر ادبی نقاد دینی کتابوں کو انجمن سے باہر ہی رکھنا چاہتے ہیں۔ اگر ان صاحبوں سے کہا جائے کہ کیا آپ موضح القرآن، خطبات احمدیہ، الفاروق، سیرۃ النبی اور ترجمان القرآن کو اردو نثر کے مرحلے

اور اہم نشانات قرار نہیں دیتے تو خاموش رہتے ہیں مگر اپنے طرز عمل کو بدلنا نہیں چاہتے۔

"تفسیر مرادیہ" قرآن حکیم کے آخری پارے کی تفسیر ہے۔ حضرت شاہ مراداللہ نے سورۃ البقرۃ کی تفسیر بھی شروع کر دی تھی۔ پنجاب یونیورسٹی کے شیرانی کلکشن میں سورۃ البقرۃ کی پہلی بیس آیات کی تفسیر موجود ہے، لیکن پھر روایات کے مطابق حضرت شاہ صاحب نے اپنے مرشد حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں کے ارشاد کی تعمیل کرتے ہوئے اس سلسلہ کو ختم کر دیا۔

صاحب مقامات مظہری کے مطابق :

" ایشاں (شاه مراد الله) اراده کردند که تفسیر کلام الله بزبان ہندی۔ تصنیف نمایند و حضرت (میرزا مظہر جان جاناں) ایشاں درا، منع کردند که اشاعت انوار طریقت موجب حصول اخلاص و مرتبه احسان می شود۔ اوقات مصروف به ہمیں شغل باید داشت و بجز ذکر و مراقبه به ہیچ امر نباید پرداخت"

حضرت میرزا جان جاناں فارسی اور اردو کے عظیم اور عہد ساز شاعر تھے، مگر اپنے خلیفہ کو تحریر سے منع فرمایا اور وہ بھی تحریر تفسیر سے، جو خود اشاعت و تبلیغ کا ایک وسیلہ تھی۔ یہ بات ہمیں گہرے فکر کی دعوت دیتی تھی۔

اس کے اسباب پر غور کرتے ہوئے پہلی بات ذہن میں یہ آتی ہے کہ مرشد اپنے اس مرید کی صلاحیتوں کا بہتر علم رکھتے ہیں۔ میرزا صاحب نے شاہ مراد اللہ صاحب کو تبلیغ کا کام کرنے بنگال بھیجا۔ انہوں نے جن لوگوں کی تربیت فرمائی ان میں سے محمد غوث، محمد دانش اور محمد درویش کے نام ہم تک پہنچے ہیں۔ حضرت میرزا جان جاناں ان صوفیوں میں سے تھے جو خانقاہوں میں بیٹھ کر بھی رسم شبیری ادا کرنے کا ہنر رکھتے تھے۔ آپ نے اپنے دور میں مسلمانوں کی تنظیم، مرہٹوں اور سکھوں کے مظالم کے آگے بند باندھنے کی کوشش کی۔ لیکن آپ مسلمانوں کے انتشار سے آزردہ خاطر رہتے۔

حضرت جان جاناں کے عہد میں قرآن حکیم کو بھی مسلمانوں کے مختلف گروہوں نے معاذ اللہ اپنے مقاصد کے حصول کا ذریعہ بنا لیا تھا۔ کتاب عظیم کا مطالعہ انسان سازی کے لیے کرنے کی روایت کمزور ہوگئی تھی۔ اللہ کی کتاب کو اپنے عقائد کے لیے استدلال کا وسیلہ بنایا جاتا، اس کی تاویل گروہی نقطہ نظر سے کی جاتی یا قرآن کو فلسفہ و فکر کی کتاب سمجھا جاتا اور عمل سے ہم آہنگ نہ کیا جاتا۔ آج بھی یہ صورت حال ہمارے ہاں موجود ہے۔ ہم اپنے مفسروں سے نکتہ آفرینی ، سخن سنجی اور جدت فکر کا مطالبہ کرتے ہیں اور اب مطالبہ کو عصری تقاضوں سے ہم آہنگی کی خوبصورت اصطلاح کا جامہ عطا کرتے ہیں۔

شاہ مراد اللہ نے یہ اردو تفسیر اسی نیت سے لکھی کہ عربی سے ناواقف اور فارسی میں زیادہ استعداد نہ رکھنے والے مطالب قرآن سے آشنا ہو کر اپنی زندگی کی تعمیر قرآنی خطوط پر کر سکیں۔ خاتمہ الکتاب میں لکھتے ہیں :

> " اللہ کے فضل سے ، حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے طفیل سے یہ بندہ عاجز گناہ گار امید وار ہے جو اس تفسیر کے لکھنے میں اور اس کے پڑھنے پڑھانے میں یہ بندہ اور جو کوئی ہوئے پڑھے پڑھاوے ہمیشہ ہمیشہ دنیا میں، قبر میں، آخرت میں اس کی برکتوں سے محروم نہ ہووے۔ لکھنے کا، پڑھنے کا، پڑھانے کا، سمجھانے کا، سیکھنے کا سکھانے کا، عمل کرنے کا، اور کوئی عمل بتانے کا ثواب پاتا رہے"۔

پروفیسر ڈاکٹر ایوب قادری مرحوم نے اردو نثر کے ارتقا میں علماء کا حصہ میں شاہ صاحب کی ایک اور تحریر، ڈاکٹر نجم الاسلام کے مقالہ (مطبوعہ نقوش اپریل تا جون۱۹۶۶) کے حوالے سے پیش کی ہے جس میں آپ نے کم و بیش یہی فرمایا ہے کہ اس تفسیر کے لکھنے کا مقصد یہی ہے کہ " دین کی عام باتیں ان کو اچھی طرح سے معلوم ہو جائیں، یاد رہیں، کام آویں" ۔

تفسیر مرادیہ میں ہر سورہ کے ترجمہ اور تشریح سے پہلے اس کے بارے میں تمہیدی نکات ہیں۔ یہ تعارف کہیں مختصر ہے اور کہیں طویل، بعض سورتوں کے سلسلہ میں تاریخی پس منظر اور شان نزول بھی تحریر کی گئی ہے۔ اس تعارف میں سورہ کے مکی، مدنی

ہونے، کلمات اور حروف کی تعداد ملتی ہے اور موضوع کا ذکر۔ مثلاً سورۃ انشقاق کا تعارف۔

"مکی ہے، پچیس آیتیں ہیں، ایک سو آٹھ کلمہ، چار سو اڑتالیس حرف ہیں۔
کافر پوچھتے تھے قیامت کس طرح ہووے گی، کب ہووے گی، قیامت کے
ہونے میں کیا کچھ ہووے گا۔ اللہ تعالی خبر دیتا ہے"

بعض سورتوں کا تعارف خاصا طویل ہے۔ مثلاً سورۃ قدر کا پس منظر اور تعارف ڈیڑھ صفحات سے زیادہ کا ہے۔ شاہ صاحب نے اسرائیلیات کو اس تفسیر میں اہمیت نہیں دی ہے، لیکن سورہ قدر کے تعارف میں شمعون یا میمون کا واقعہ درج کیا ہے اور اسے عہد رسالت سے جوڑ دیا ہے اور یہ بھی لکھ دیا ہے کہ ایک دن حضرت جبرئیل نے یہ واقعہ نبی کریم ﷺ کو سنایا اور آپ نے صحابہ کرامؓ کو۔ پھر اللہ تعالی نے یہ "سورت بھیجی"۔

سورہ قدر

مکی ہے اس میں پانچ آیتیں تیس کلمے ایک سو پندرہ حروف ہیں۔ تفسیروں میں لکھا ہے کہ سبب نازل ہونے کا اس سورت کے یہ ہے کہ بنی اسرائیل کی قوم میں ایک شخص تھا شمعون ان کا نام تھا بعضے کہتے ہیں میمون نام تھا۔ ہمیشہ دن کو روزہ رکھتا تھا اور رات کو نماز پڑھتا تھا بندگی میں کھڑا رہتا تھا اور کافروں کے ساتھ جہاد کرتا لڑتا، کافر اس کے ہاتھ سے تنگ آئے تھے ایک بار ان کافروں نے مصلحت کر کر شمعون کی بی بی کو بلایا اور اسے کہا تیرا خاوند تجھ سے کچھ کام نہیں رکھتا، دن کو روزہ رکھتا ہے رات کو عبادت کرتا ہے تجھ کو کیا فائدہ ہے۔ تو ایک حیلہ کر کر اس کو بند کر ہم اس کو لے کر تیرے ساتھ ایک گھر میں بند کر دیوینگے ہمیشہ تو آرام سے رہیگی۔ عورت تو ناقص العقل ہوتی ہے اس نے یہ بات قبول کی لوگوں نے ایک موٹی رسی بالوں کی بٹ کر اس بی بی کے حوالے کی کہ اس رسی سے اسکو باندھیو۔ ایک رات شمعون کو کچھ نیند آئی تھی بی بی نے ان کے ہاتھ باندھ لیے شمعون جاگ اٹھے کہا کیا کرتی ہے کیوں مجھ کو باندھتی ہے اس نے کہا میں تیری قوت زور آزماتی ہوں شمعون نے اس رسی کو توڑ ڈالا اور کہا میرا زور اس سے بھی زیادہ ہے۔ پھر بی بی نے کافروں کو خبر کر دی، حقیقت کہی، پھر کافروں نے لوہے کی زنجیر لا کر دی، دوسری رات

اس نے خاوند کو زنجیر سے باندھا، اس کو بھی اس نے توڑ ڈالا اور کہا میرا زور اس سے بھی زیادہ ہے۔ کافروں کو بی بی نے خبر دی انہوں نے کہا ہم عاجز ہوئے لوہے سے کوئی چیز سخت نہیں تو اسی سے پوچھ کہ تجھ کو کس چیز سے باندھیں جو تو توڑ نہ سکے۔ بی بی نے ان سے پوچھا شمعون نے کہا جس چیز سے مجھے کوئی باندھے توڑ ڈالوں سوائے میرے سر کے بال کے جو کوئی میرے بالوں سے مجھ کو باندھے تو وہ توڑ نہ سکوں۔ اس بی بی نے کسی طرح اس کے سر کے بال لے کر رسی بنا کر اس کو باندھا، انہوں نے کہا کھول دے جورو نے کہا میں نہیں کھولتی تو توڑ ڈال جس طرح اور چیزوں کو توڑتا تھا، انہوں نے کہا میں نے تجھ سے کہا ہے کہ میں اس کو توڑ نہیں سکتا۔ اس بی بی نے کافروں کو خبر دی انہوں نے آکر ان کو پکڑ لیا اور وہ قول و قرار جو اس احمق بی بی سے کیا تھا کچھ نہ کیا شمعون کے ہاتھ پاؤں ناک کان کاٹ کر شہر کے دروازے کے آگے ڈال دیا کہ خراب ہو کر مر جاوے رات کو جب نماز پڑھنے کا وقت ہوا، شمعون نے اللہ تعالی کی درگاہ میں مناجات کی دعا مانگی کہا اے پروردگار تو جانتا ہے تیری راہ تیری دوستی میں ان کافروں نے میرے ساتھ یہ معاملہ کیا ہے تو قادر ہے جو مجھ کو اچھا کر دیوے میری مدد کرے حق تعالی نے شمعون کی دعا قبول کی اسی وقت ہاتھ پاؤں سب کچھ ٹھیک ہوگئے اور جو کچھ اس کی قوت تھی زور تھا وہ بھی دیا بلکہ اس سے قوت اور زیادہ بخشی اٹھ کر کھڑا ہوا شہر کے دروازے کے پاس آیا لوہے کا دروازہ تھا، شہر کا بند تھا پکڑ کر اکھاڑ ڈالا اندر بیٹھ کر ہر گھر میں جا کر گھروں کے ستون پکڑ کر کھینچ لیتا تھا، چھتیں گھروں کی گر پڑتی تھیں سب کوئی چھتوں کے نیچے دب کر مر جاتے تھے اسی طرح اسی ایک رات میں سب کو ہلاک کیا مار ڈالا پھر حق تعالی نے شمعون کو ہزار مہینے کی اور عمر بخشی ہزار مہینے تک دن کو روزہ رکھتے کافروں سے جہاد کرتے رات کو نماز پڑھنے میں مشغول رہتے ایسے ایسے کام کرتے تھے اتنا ثواب پاتے تھے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ایک ایک دن آکر یہ قصہ حضرت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بیان کیا۔ حضرت ﷺ نے سب یاروں اصحابوںؓ کے روبرو فرمایا۔ یاروں نے سن کر اس کے ثواب پر حسرت کی اور تعجب کیا اور کہا یا رسول اللہ ﷺ ہماری عمریں تھوڑی

ہیں ان تھوڑی عمروں میں ایسے عمل ہم کیونکر کر سکیں ایسے ثواب کس طرح سے پاویں ایسی بڑی دولت کو کیونکر پہنچیں اس بات کے اوپر حق تعالیٰ نے یہ سورت بھیجی اور فرمایا تم کو ایک رات ایسی دی ہے جو اس رات کو جاگو بندگی کرو تو ثواب میں ہزار مہینے سے زیادہ ہے بہتر ہی فرماتا ہے اللہ تعالیٰ۔

اردو کے دینی اور تفسیری ادب میں تفسیر مرادیہ کی اہمیت کی اولین وجہ اس کی اولیت ہے۔ اس کی اہمیت کا دوسرا سبب شاہ مراد اللہ صاحب کا مقصد تبلیغی اور عام آدمی میں قرآن حکیم کی تفہیم کا ذوق پیدا کرنا ہے۔ انہوں نے اپنے پڑھنے والوں کو لغوی اور فلسفیانہ بحثوں میں نہیں الجھایا ہے، بلکہ وہ تعلیمات قرآنی کو اس طرح پیش کرتے ہیں کہ آدمی میں ذوق عمل پیدا ہو۔ ابتدائی دور کے تفسیری ادب میں ہمیں نسبتہً یہ پہلو زیادہ نمایاں نظر آتا ہے۔

ادبی طور پر یہ کتاب نہایت اہم ہے اور میں پورے یقین کے ساتھ اسے جدید اردو نثر کا نقطہ آغاز سمجھتا ہوں۔ اس میں سادگی کے باوصف بڑی قوت ہے۔

شاہ صاحب کے اسلوب کے کئی پہلو اردو نثر کے ارتقاء کا مطالعہ کرنے والوں کو اپنی طرف متوجہ کرتے ہیں۔ ڈاکٹر ایوب قادری اور بعض دوسرے اصحاب نے جو کچھ لکھا ہے وہ اس عہد کے کم و بیش ہر لکھنے والے کے اسلوب سے متعلق ہے مثلاً اولیاؤں، اصحابوں، کراماتوں جیسی "جمع الجمع" کا استعمال، مضاف مضاف الیہ کی ترتیب جو عہد سرسید تک مستعمل رہی۔ لیکن شاہ صاحب کے اسلوب کی انفرادی خصوصیات اور خوبیوں کا مطالعہ نہیں کیا گیا ہے۔

۱۔ اس تفسیر میں بہت سے مقامات پر شاہ صاحب اپنی اردو عبارت کو قرآنی آیت سے ہم آہنگ کر دیتے ہیں، مثلاً سورہ قدر کے تعارف کا آخری فقرہ ہے۔ " فرماتا ہے اللہ تعالیٰ" اور اس کے بعد ہی ہمیں قرآنی الفاظ ملتے ہیں " انّا انزلنہ "

۲۔ "باغ و بہار" کے اسلوب کا حسن جملوں اور فقروں کے ہم آہنگ امتزاج میں ہے۔ یہ اسلوب ہمیں "میر امن" سے پہلے حضرت شاہ مراد اللہ صاحب کی تفسیر میں نہایت حسن اور کمال کے ساتھ ملتا ہے۔

۳۔ شاہ صاحب نے فقروں سے تکرار کا کام بھی لیا ہے۔ اس سے قوت اور حسن کے ساتھ ساتھ گفتگو کا انداز پیدا ہوتا ہے۔ مثلاً "والنہار اذا تجلی" اور سوگند ہے دن کی جب ظاہر ہوتا ہے رات کی اندھیاری کو دور کرتا ہے۔ یہ رات اور دن دو آیتیں ہیں، دو نشانیاں ہیں، دو دلیلیں ہیں۔

"اذا زلزلت الارض زلزالھا"

جس وقت جنبش دی جائے گی، ہلائی جائے گی زمین

۴۔ جملہ کے اجزائے کلام کی ترتیب میں شاہ صاحب مفہوم کا احترام کرتے ہیں۔ ان کے ہاں فاعل یا اسم بیشتر صورتوں میں پہلے آتا ہے، مگر جو مثال ابھی پیش کی گئی اس میں زمین کی جنبش کو ابھارنے کے لیے اس کا ذکر پہلے لایا گیا اور زمین کا بعد میں۔ یوں اصل کے مفہوم اور قواعد کا اتباع بھی ہوگا اور زمین کی مفعولی حالت، معانی سے ہم آہنگ ہوگی۔